استدراک

"فراهی کا ایک غیر مطبوعہ خط"

شرف الدین اصلاحی

نومبر ۸۱ء کے فکرونظر میں "باقیات فراهی" کے زیر عنوان هم نے ایک خط اپنے تعلیقات و حواشی کے ساتھ شائع کیا تھا ۔ چونکه اس خط کے بارے میں اس وقت تک کی معلومات کے مدنظر یه خیال هی نهیں بلکه گمان غالب تھا که اس کے کاتب مولانا حمیدالدین فراهی هیں اور اس گمان کے لئے کافی قرائن اور شواهد موجود تھے ، اس لئے اس خط کو اسی نظر سے دیکھا گیا اور اسی کے مطابق نتائج اخذ کئے گئے ۔ لیکن واقعه یه ہے که مجھے اس کی نسبت شروع میں بھی خلش تھی اسی لئے میں نے بہت دنوں تک اسے شائع نهیں کیا اور کئی متعلقه اشخاص کو اس کے بارے میں اپنے شکوک سے آگاه بھی کیا ۔ اور شرح صدر مجھے اس وقت بھی نه تھا جب میں نے اسے شائع کرنے کا فیصله کیا ۔ اس میں کئی ایسی الجھنیں تھیں جن کو میں آخر وقت تک اپنے ذهن سے دور نه کر سکا ۔ لیکن آخر میں جب مزاج شناس فراهی مولانا امین احسن اصلاحی نے کلیرنس دے دیا ۔ خط کا مضمون ، طرز تحریر اور رسم الخط وغیره کودیکھکر جب انهوں نے صاد کر دیا که یه خط مولانا فراهی هی کا هے تو میں نے تردد کے باوجود اسے فراهی کے نام سے شائع کر دیا ۔

بعد میں اتفاق سے کچھ باتیں ایسی علم میں آئیں که نه صرف میرے پہلے شکوک دوباره ابھر آئے بلکه ان شواهد کو دیکھنے، حاصل شده معلومات کو پرکھنے ، تجزیه اور تحقیق کرنے اور یکسوئی سے غور وفکر

کرنے کے بعد اب میں قطعیت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ یہ خط مولانا فراھی کا نہیں بلکہ ان کے ھمنام ان کے کسی دوست کا ہے اور مولانا فراھی کا تعلق اس کے ساتھ کاتب کا نہیں بلکہ مکتوب الیہ کا ہے ۔ اس خط کے مکتوب الیہ کا تعین نہیں ہو رہا تھا مگر اب یہ اشکال بھی رفع ہو گیا ہے فراھی اس کے مخاطب ھیں ۔ یہاں اس سنگین غلط فہمی کے اسباب و وجوہ سے تعرض کی ضرورت اس لئے نہیں کہ وہ از خود واضح ھیں اور جن کو اس موضوع سے دلچسپی ہے ان کے لئے اشارات کافی ھیں ۔

محولہ بالا خط کی اشاعت کے بعد اس کی نسبت کے بارے میں میرے شکوک کو ابھارنے والی چیز ایک نوٹ تھا جو مجھے خط کی اشاعت کے بعد کاغذات میں اس وقت ملا جب میں نے از سر نو اپنے ریسرچ پروجیکٹ متعلقہ فراھی پر کام کا باقاعدہ آغاز کیا ۔ یہ نوٹ میں نے علی گڑھ میں علی گڑھ منتھلی سے نقل کیا تھا ۔ پہلے وہ نوٹ ملاحظہ فرمائیں ۔ پورا نوٹ قوسین میں درج کیا جاتا ہے ۔ کاما کے درمیان کی عبارت علی گڑھ منتھلی کے ادارتی نوٹ کی ہے ۔ باقی عبارت میری اپنی ہے جو میں نے اسی وقت یاد داشت کے لئے لکھ لی تھی ۔

(„..... مولوی حمیدالدین صاحب حمید ایڈیٹر الکاشف کی مندرجہ ذیل غزلیات تصوف کے معیار میں پوری اترتی ھیں اور اپنے رنگ میں نہایت قابل قدر ھیں ۔ ھم مولوی عبدالحمید صاحب اسسٹنٹ پروفیسر علوم عربیہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ممنون ھیں کہ ان کے توسل سے ھم کو یہ غزلیات دستیاب ھوئیں ۔ امید ھے کہ ھمارے ناظرین سرود حقیقت کے اعلی و ارفع مطالب پر کافی توجہ فرمائیں گے ۔ خصوصاً اس سوز وگداز کو ملاحظہ کریں گے ۔ سب (جس) نے الفاظ کا جامہ پہن لیا ہے“ ۔ صفحہ ۱۲ جلد ۴ شمارہ نمبر ۵ ۔ علی گڑھ منتھلی بابت مئی ۱۹۰۸ ۔ علی گڑھ منتھلی کے صفحہ ۱۲ تا ۱٦ اردو کی غزلیں

ھیں جن کے اندراج سے پہلے ، اوپر یہ مذکورہ بالا نوٹ ملتا ہے ۔ یہ غزلیں نوٹ کے مطابق مولوی حمیدالدین صاحب حمید ایڈیٹر الکاشف کی ھیں ۔ یہ عجیب اتفاق ہے جس کی غزلیں ھیں اس کا نام حمیدالدین ہے اور جن صاحب نے غزلیں دیں ان کا نام عبدالحمید لکھا گیا ہے ۔)

خوش قسمتی سے اسی دوران علی گڑھ منتھلی کے ان صفحات (۱۲ تا ۱٦) کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھی ایک دوست نے علی گڑھ سے بھیج دی جس میں نوٹ اور خط میں مذکور نظم ,, سرود حقیقت ،، پوری کی پوری درج ہے ۔ اس نظم کے کل ٦٦ اشعار ھیں ۔ خط اور نوٹ میں مذکور رسالے ,, الکاشف ،، کا کہیں سراغ نہیں مل سکا ورنہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ۔ یہ حمید الدین حمید کون ھیں جن کا یہ خط ہے اور جو الکاشف کے ایڈیٹر تھے اور جن کی یہ نظم (سرود حقیقت) ہے ۔ سردست ان کے متعلق مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکیں ۔ بہرحال اس فیصلے کے بعد کہ اس خط کے کاتب ,, حمیدالدین حمید ،، مولانا فراھی نہیں ھیں اور یہ خط مولانا فراھی کے نام ہے سارے اشکالات رفع ہو جاتے ھیں اور چول سے چول بیٹھ جاتی ھے ۔

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں تھی لیکن اس میں سرود حقیقت کے عنوان سے جس نظم کا ذکر ہے وہ مئی ۱۹۰۸ کے علی گڑھ منتھلی میں شائع ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ یہ خط مئی ۱۹۰۸ کے لگ بھگ لکھا گیا اور دستاویزی شہادتوں سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ مولانا فراھی ۱۸۹٦ تا ۱۹۰٦ کراچی میں رھے اور ۱۹۰۷ اور ۱۹۰۸ کے سال انھوں نے علی گڑھ میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گزارے ۔ علی گڑھ منتھلی کے نوٹ میں ,, حمید الدین حمید ،، اس خط کے نویسندہ ھیں اور ,, مولوی عبدالحمید ،، مولانا فراھی ھیں جو اس خط کے مخاطب ھیں ۔ یہ ذھن نشین رھے کہ مولانا فراھی کے دو نام ھیں عبدالحمید اور حمیدالدین اور دونوں بیک وقت متداول رھے ۔ اور اسی طرح ان کے تخلص بھی دو ملتے

هیں ، حمید اور فراهی ـ

اس خط کی آخری تین سطروں میں ایسی کئی باتیں هیں جو اس کے حق میں جاتی هیں که مولانا فراهی اس خط کے متکلم نهیں مخاطب هیں ـ مثلاً یه واقعه که پهلے مولانا فراهی حمید تخلص کرتے تھے جس کی شہادت ان کے فارسی دیوان کی متعدد غزلوں سے ملتی ہے لیکن « جہانے دگر است » والی غزل میں انهوں نے تخلص بدل دیا ہے حمید کی بجائے فراهی تخلص استعمال کیا ہے ـ اس غزل کا مقطع ہے ۔

ناو کے سخت مگر خورد فراهی دیشب

کیں سحر زمزمه او بفغانے دگر است

(نوائے پهلوی حمیدالدین فراهی ـ مطبوعه ۱۹٦۷)

اور تخلص کی اس تبدیلی میں همارا خیال ہے که ایک وجه یه بھی رهی هوگی که حمیدالدین هی نام کے ایک اور صاحب حمید تخلص کرتے تھے ـ مولانا فراهی اور حمید الدین حمید میں یگانگت تھی اور دونوں شاعر تھے اور یه بھی معلوم ہے که وہ اپنا کلام ایک دوسرے کو بھیجتے تھے ـ اس لئے اس کا امکان تھا اور ہے که ان کا کلام ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط هو گیا هو ـ جس طرح اس خط کے باب میں دهوکا هوا ، کلام کے باب میں بھی دهوکے کا اس سے زیاده امکان تھا ـ